R. No. 2886/57 Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

Date
1-8-15-82

Phone—29
Annual Rs. 4/-
Per Copy -/12/-

جلد ۲۶ - شمارہ ۱۵ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۱۵ اپریل ۱۹۶۷ء

اداریہ

جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

ہماری زبان کی اسی اشاعت میں جناب نثار احمد فاروقی کا ایک مراسلہ غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔ انھوں نے اعداد و شمار سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہی کانگریس جو باوجود لسانی اقلیتوں کے حقوق سے زبانی ہمدردی کے، عملی طور پر اردو کو سرکاری زبان تسلیم کرنے سے ہچکچاتی ہے، جب عام چناؤ کا وقت آتا ہے اور ووٹروں تک اپنے خیالات پہنچانا چاہتی ہے تو اردو کی مقبولیت کو یاد رکھتی ہے اور اپنا لٹریچر اردو میں بہت بڑی تعداد میں شائع کرتی ہے۔ اس نے مدراس کو چھوڑ کر اپنی ہر ریاستی شاخ کو اردو میں بھی اپنا لٹریچر بھیجا اور اترپردیش، بہار اور دہلی میں حسب ذیل تعداد میں پوسٹر تقسیم کیے:

ریاست	انگریزی	ہندی	اردو
اترپردیش	ایک ہزار	ساڑھے سات ہزار	سات ہزار
بہار	تین سو	پانچ ہزار	تین ہزار
دہلی	تین سو	چار سو	ایک ہزار

ایک اور دلچسپ حقیقت جو سارے اعداد و شمار کو دیکھ کر سامنے آتی ہے کہ کانگریس نے ہر ریاست میں خاصی تعداد میں اردو میں پوسٹر تقسیم کیے اور اس طرح اردو کی کل ہند حیثیت کو ملحوظ رکھا۔ اور کل نواسی ہزار سات سو چھتر پوسٹروں میں سے پچیس ہزار نو سو پچاس انگریزی میں، چوبیس ہزار سات سو پچیس ہندی میں اور انتالیس ہزار ایک سو اردو میں پوسٹر تقسیم کیے۔ یعنی سب سے بڑی تعداد میں اردو میں پوسٹر تقسیم ہوئے۔ اس احساس اور اعتراف کے باوجود کہ عملی طور پر اردو کے ذریعے اپنے خیالات کی اشاعت دوسری زبانوں کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے، جب اردو والوں کی ضروریات اور ان کی خواہشات کے ساتھ انصاف کا سوال آتا ہے تو کانگریس صاف اور واضح اور دستور کے مطابق اقدامات کرنے سے گھبراتی ہے۔ کانگریس کے قول اور فعل کا یہی تضاد اور دعووں کے باوجود عمل میں یہ کوتاہی

مسائل موجودہ چناؤ میں اس کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ کاش کانگریس کو اب بھی ہوش آئے اور وہ جن حقائق کو تسلیم کرتی ہے ان کے تقاضے بھی پورا کرے اور اردو کو خاص خاص ریاستوں میں سرکاری زبان تسلیم کرنے کے لیے اب بھی قدم اٹھائے تو اس کے لیے اور ملک کے لیے بہتر ہو۔ اگر کانگریس ایسا نہ کرے گی تو دوسری پارٹیاں کریں گی۔ بہر حال اردو والوں کو اب اس معاملے میں ہر پارٹی کا عمل دیکھیں گے خالی خولی وعدوں پر انھیں ٹالا نہیں جا سکتا۔ ان کے جائز حقوق کو جلد سے جلد تسلیم کر لینا ہر محب وطن کا فرض ہے۔ جتنی دیر اس ضروری کام میں ہوتی ہے اتنی ہی ضرب جمہوریت اور اس کے اصولوں پر پڑتی ہے۔

ٹائپ کرنے کا نیا طریقہ

امریکہ میں ٹائپ کرنے کا ایک نیا طریقہ استعمال ہو رہا ہے جس سے متعلقہ مسودے یا مضمون وغیرہ میں آخری صورت دینے سے پہلے آسانی سے حسب ضرورت تبدیلی اصلاح کی جا سکتی ہے۔ اسے پاور ٹائپنگ کہتے ہیں۔ اور اس تکنیک سے کسی بھی مسودے کو درستی یا اضافے یا ترمیم کے بعد دوبارہ ٹائپ کرنے کی زحمت نہیں اٹھانی پڑتی۔

اس سسٹم میں بجلی سے چلنے والا ٹائپ رائٹر استعمال کیا جاتا ہے جس میں عام ربن کے بدلے مقناطیسی ٹیپ استعمال ہوتا ہے جب ابتدائی مسودہ ٹائپ کیا جاتا ہے تو ساری اطلاع مقناطیسی ٹیپ پر خود بخود ریکارڈ ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد غلطیوں کو ان ہی حروف پر دوبارہ ٹائپ کیا جاتا ہے جن کی اصلاح کرنی ہو۔ اس طرح خودکار طور پر مقناطیسی فیتے پر اصلاح درج ہو جاتی ہے۔

بعد میں وہی ٹائپ رائٹر اسی قسم کا دوسرا ٹائپ رائٹر اس ٹیپ ریکارڈر کو پڑھنا شروع کر دیتا ہے اور اس طرح خود بخود درست عبارت ٹائپ ہو جاتی ہے۔

(سیاست جدید کانپور)

اصطلاحات کی کتابوں کی اشاعت

نئی دہلی۔ سائنٹفک اور ٹیکنالوجی کی اصطلاحات کے مستقل کمیشن

کی قوت سے اس وقت تک ایک سو سولہ مطبوعات تیار کی جا چکی ہیں۔ ان میں دقیق الفاظ کی فہرستیں، رسالے اور ریڈیو پر نشر کی جانے والی تصانیف شامل ہیں۔

یہ انکشاف کل یہاں کمیشن کے صدر شری وشوناتھ پرشاد نے کمیشن کی ایک میٹنگ میں کیا۔ یہ میٹنگ تعلیم کے نئے راجیہ منتری پروفیسر شیر سنگھ سے ملاقات کرنے کے لیے بلائی گئی تھی۔ پروفیسر شیر سنگھ وزارت تعلیم کے لسانیاتی شعبے کے بھی انچارج ہیں۔

کمیشن نے ۵۰۰ کتابوں کے ہندی ترجمے اور نئی تحریروں کا کام ہاتھ میں لیا تھا ان میں سے اس وقت تک اسّی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور ۶۰ زیر اشاعت ہیں۔ کمیشن کی طرف سے گجراتی، مراٹھی، پنجابی، تامل اور کنڑ زبانوں کی بیس کتابیں شائع کی جا چکی ہیں اور آٹھ اس وقت زیر اشاعت ہیں۔

شری وشوناتھ پرشاد نے بتایا کہ کمیشن کو جو کام سونپا گیا ہے اسے جلد سے جلد پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کمیشن کوشاں ہے۔ انہوں نے کمیشن کی مطبوعات کا ایک سیٹ وزیر موصوف کو پیش کیا ہے۔

(الجمعیۃ)

سہ ماہی "تحریر" (دلی)

دلی میں ایک ادارے علمی مجلس کے قیام کی خبر پہلے دی جا چکی ہے۔ اس کا سہ ماہی رسالہ "تحریر" عنقریب شائع ہو جائے گا پہلے شمارے میں مندرجہ ذیل مضامین ہیں:

پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب	: کرم علی مرثیہ گو اور فضل علی فضلی کی کربل کتھا
جناب سید علی جواد زیدی	: جدید مرثیہ کا بانی ضمیر لکھنوی
جناب مالک رام	: غبار خاطر
عابد رضا بیدار	: مصحفی کا تہذیبی مطالعہ
ڈاکٹر گوپی چند نارنگ	: اردو کے افعال مرکبہ
ڈاکٹر سید امیر حسن عابدی	: ساحر کاکوروی
ڈاکٹر تنویر علوی	: کلام شاہ نصیر کے ماخذ

اس پرچے کو جناب مالک رام نے مرتب کیا ہے۔

(آ نگار)

کلام پاک کا سات سو سال پرانا نسخہ

حیدرآباد۔ یہاں کے سالار جنگ میوزیم میں قدیم و نایاب خطاطی کے نسخوں کی جو نمائش ہو رہی ہے اس میں تیرہویں صدی عیسوی کا نسخہ بھی پیش کیا جائے گا۔

یہ نسخہ خلافت عباسیہ کے آخری خلیفہ کے درباری خطاط یاقوت المستعصمی کا تحریر کردہ ہے اور ہندوستان کے مغل شہنشاہوں جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب نے اس پر اپنے دستخط کیے ہیں۔

(سیاست جدید کانپور)

شاہد احمد دہلوی کی علالت

کراچی۔ اردو کے ممتاز ادیب، صحافی انشاپرداز "ساقی" کے ایڈیٹر شاہد احمد دہلوی پر دل کا ایک سخت دورہ پڑا جس کے بعد ان کو نرسنگ ہوم میں داخل کر دیا گیا جہاں ان کی حالت تشویشناک بتائی جاتی ہے۔

شاہد احمد دہلوی کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ ہے ان کا شمار اردو کے ممتاز ترین ادیبوں اور صحافیوں میں ہے اس کے علاوہ موسیقی کے بھی بہت بڑے ماہر ہیں۔

ان کا تعلق دلی کے ممتاز خاندان سے ہے وہ اردو کے مشہور ناول نگار شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد کے پوتے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد شاہد صاحب کراچی منتقل ہو گئے تھے۔ (قومی آواز لکھنؤ)

یادگار میر کمیٹی کی تشکیل

لکھنؤ۔ ایک خصوصی میٹنگ یادگار میر تقی میر زیر صدارت جناب حسین قدوائی منعقد ہوئی جس میں ۲۰ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل کی گئی جس کے کنوینر مسٹر سلیم جعفر منتخب کیے گئے۔ یہ کمیٹی سٹی اسٹیشن کے قریب یادگار میر کو تعمیر کرانے کے سلسلے میں قائم کی گئی ہے۔

(سیاست جدید کانپور)

مولانا کمال مالیر کوٹلوی انتقال فرماگئے

چنڈی گڑھ، مالیر کوٹلہ سے خبر ملی ہے کہ اردو کے کہنہ مشق شاعر مولانا کمال مالیر کوٹلوی بھی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ مولانا مرحوم ایک درویش منش اور منکسر المزاج بزرگ تھے۔ تقسیم وطن کے بعد اپنے مولد مالیر کوٹلہ میں نہایت خاموشی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ راقم الحروف کے پاس مرحوم کے خود نوشت حالات زندگی محفوظ ہیں اس کے مطابق آپ کا جنم ۱۸۹۴-۹۵ء کے درمیان ہوا تھا۔ مڈل اسکول سنگرور سے ابتدائی تعلیم پائی۔ شاعری میں انھیں حضرت ناطق مالیر کوٹلوی سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ مولانا کمال مرحوم بہت پختہ اور شگفتہ شعر کہنے والوں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ کے تلامذہ کا حلقہ کافی وسیع ہے جن میں سے بعض شعرا خاصی شہرت اور مقبولیت کے مالک ہیں۔

مولانا کی موت سے پنجاب میں اردو کے اساتذہ سخن کی محفل ایک برگزیدہ ہستی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئی۔

مرسلہ
سورج تویہ

سید فضل المتین

شاگردِ ظہیر ـــ منشی رمضان علی اختر

حالات :-

مولینا خواجہ عشق اجمیریؔ "تذکرۂ شعرائے اجمیرؔ[1]" میں تحریر فرماتے ہیں۔
"سہارنپور میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۴ء میں اجمیر آئے۔ اس وقت ۲۴-۲۵ سال کی عمر تھی۔ حسین آدمی تھے، بڑی بڑی آنکھیں، ناک ستواں، رنگ گورا، ہاتھ پیر کے اچھے بڑی ڈھیری، چہرہ آفتابی، قد متوسط مائل بہ درازی، ڈاڑھی منڈواتے تھے، مونچھیں لمبی لمبی رکھتے تھے، نواب محمد شمس الدین علی خاں عاشقؔ[2] رئیس اعظم اجمیر کی ملازمت اختیار کی، نواب موصوف کے استاد بھائی تھے۔ نواب کی وفات کے بعد ملازمت سے علیحدہ ہو گئے تھے تقریباً دو سال سے علالت کا سلسلہ جاری تھا۔ بیمار ہوتے تھے، اچھے ہو جاتے تھے۔ اسہال اور ورمِ جگر کی شکایت تھی۔ ہمت والے آدمی تھے۔ انتقال سے ایک ہفتہ پہلے تک نقاہت کے باوجود چلتے پھرتے رہے۔ آخر ۸ رمضان المبارک ۱۳۴۳ھ مطابق ۲۸ اگست ۱۹۴۴ء بروز دوشنبہ، بوقت شب۔ موجودہ وقت کے مطابق ساڑھے بارہ بجے کے قریب مسلم موچی محلے میں انتقال کیا ۹ رمضان المبارک کو تدفین عمل میں آئی۔ رسالۂ پیام یارؔ[3] لکھنؤ اور کمال راسخ دہلی وغیرہ رسالوں میں ان کا کلام چھپتا تھا۔ شادی نہیں کی یادگار میں ایک مرتب دیوانؔ[4] اور کچھ غیر مرتب کلام چھوڑا۔ وفات سے تقریباً سات آٹھ سال پہلے سے بوجہ پیری، مشقِ سخن کم کر دی تھی۔ رمضان علی نام شاید اس لیے رکھا گیا ہو کہ رمضان میں پیدا ہوئے ہوں۔ خدا کی قدرت کہ رمضان ہی میں وفات پائی۔"

ایک لطیفہ :-

مسلم انسٹی ٹیوٹ[5] اجمیر کے ایک مشاعرے میں منشی للتا پرشاد شادؔ[6] نے یہ مقطع پڑھا ؎

خدا رکھے ابھی تک شادؔ کو ہم نے نہ پہچانا
مسلمانوں میں ہندو، ہندوؤں میں یہ مسلماں تھا

رمضان علی اخترؔ نے اسی مشاعرے میں برجستہ یہ مقطع پڑھا۔

خدا جانے کہ اس کافر کا کیا مذہب تھا ایماں تھا
مسلمانوں میں ہندو، ہندوؤں میں یہ مسلماں تھا

(از بیاض یادداشت[7] مولانا خواجہ عشق اجمیری)

نمونۂ کلام :-

دو شعر :

کرم بھی تھا تیرا شیوہ ستم بھی ہے ترا شیوہ
اگر وہ تھی ادا تیری، تو یہ بھی ہے ادا تیری

بگڑنے کی بھی حد ہوتی ہے توبہ اس قدر غصہ
کوئی کب تک کرے منت، خوشامد، التجا تیری

ہفت روزہ "تیر" اجمیر۔ ۲۲ اگست ۱۹۳۸ء

دو غزلیں :

"جناب منشی رمضان علی صاحب اخترؔ سہارنپوری یادگار رفیق الدولہ حضرت ظہیرؔ دہلوی"

یہ پردہ رہ نہیں سکتا یہ سو پردے لگانے سے
محبت کی نگاہیں چھپ نہیں سکتیں چھپانے سے

بڑا بے رحم ہے بیدرد ہے وہ دل کا کڑا ہے
نہ باز آیا نہ آئے گا یہ کا فر ستانے سے

کبھی تو بھولے بھٹکے میرے گھر بھی آ ہی جائیں گے
وہ ان کی ہٹ تو ٹوٹی غیر کے گھر آنے جانے سے

کہیں ایسا نہ ہو ہم دل جلوں کا صبر پڑ جائے
مری جاں کیا ملے گا دل دکھانے دل جلانے سے

ترے غم میں ترے بیمارِ غم کی اب یہ حالت ہے
نہ بیٹھے ہے بٹھانے سے نہ اٹھے ہے اٹھانے سے

یہ کیا قصہ ہے کل سے آج تک غصہ نہیں اترا
یہ کیا بچپن کی ہٹ ہے مان جاتے ہیں منانے سے

مری آن بن ہو ان سے چڑھ بنے پھر یار لوگوں کی
کہ ان کا کام چلتا ہے لگانے سے بجھانے سے

زہے تو خیر ہے کل آپ پر آوازہ کستا تھا
ابے ہو کیوں سر چڑھا لیے اٹھا دیجئے سرہانے سے

---

[1] تذکرۂ شعرائے اجمیر۔ اس غیر مرتبہ تذکرہ کی ترتیب و تدوین کا کام انجام پا رہا ہے۔

[2] نواب محمد شمس الدین علی خاں عاشقؔ شہر اجمیر کے ایک مشہور رئیس، ظہیرؔ دہلوی کے شاگرد، صاحب دیوان شاعر۔ آپ کا دیوان "دیوانِ عاشق" ۱۳۱۹ھ میں طبع ہو چکا ہے۔ بہت جلد عاشقؔ پر ایک تفصیلی مضمون لکھوں گا۔

[3] "پیام یار" اور "کمال راسخ" میں مطبوعہ "کلام اختر" سے اگر کوئی واقف کار مجھے آگاہ کرے تو کرم ہوگا

[4] غالباً دیوان اختر "ضائع ہو گیا۔ مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔

[5] مسلم انسٹی ٹیوٹ، تقسیم سے پہلے اجمیر کے مسلمانوں کا ایک تہذیبی، علمی، ادبی اور سماجی ادارہ تھا۔

[6] منشی شادؔ نے ابھی چند سال پہلے ... انتقال میں وفات پائی۔ ... اخبار "داشت" ... اجمیر رہے ہیں۔ ان کا ذکر بھی تذکرۂ شعرائے اجمیر میں آئے گا۔

[7] بیاض یادداشت۔ مولانا خواجہ عشق اجمیری نے "تذکرہ شعرائے اجمیر" کے لیے تحریر کی تھی۔

کچھ ایسے کان بھرے ہیں ظالم بیچ والے بھی
انھیں کیا جانے کیا سنا ہے آپس میں لڑانے سے
بنا کر تم نے دشمن سمجھ لیا، سمجھ لینا
کبھی یہ منھ بھی اسد کا تمہارے منہ لگانے سے
غضب کا تو نشہ ہے یہ کوئی آنکھوں میں جادو ہے
ستم ہے دل چرا لیتے ہیں وہ نظریں چرانے سے
بس اتنی بات پر روٹھے جو ہم تو دل بھی لیں گے
یہ دل موجود ہے تو اب تو کیں جاؤ ستانے سے
قدم راہ محبت میں سمجھ کر سوچ کر رکھیے
کہ ڈانوا ڈول ہو جاتا ہے رستہ بھول جانے سے
بحق خواجہ عثمان ہاروں یا معین الدین
بھنور میں ہے مری کشتی لگا دیجے ٹھکانے سے
نہ اختر کا کوئی پرساں نہ اختر کا کوئی خواہاں
یہ جائے اب کہاں خواجہ تمہارے آستانے سے

گلدستہ "فراق مشتاق" مطبوعہ ۱۹۲۸ء دمشاعرہ تعزیت مشتاق اجمیری)

(۲)

وہ پوری سننے بھی پائے نہ داستاں میری
غضب ہوا کہ بہکنے لگی زباں میری
تمہارا قصہ تمہیں کو سنانے آیا ہوں
بڑے مزے کی ہے دلچسپ داستاں میری
کروں گا آپ کا شکوہ تو رنجشیں ہوں گی
یہ نہیں تو چپ ہوں نہ کھلوائیے زباں میری
بڑے مزے سے حسینوں میں خوب گزرے گی
زمانہ دیکھے گا عاشق مزاجیاں میری
جا رہے ہیں انھیں بھی وہ مجھ سے دیوانہ
سنا رہے ہیں رقیبوں کو داستاں میری
کسی حسین پہ یہ بھی تو آ گئی ظالم
رہی جو برسوں طبیعت مزاجداں میری
مزار مجنوں پہ یوں جا رہے ہیں دیوانے
کہ دو بڑھا گئیں سنگ وحشت کی بیڑیاں میری
تمہارے باتیں سنوں غیر کے بھی طعنے سنوں
سمجھ تو دو جو منہ میں ہے زباں میری
یہ جھوٹی باتوں سے فقروں سے دم دلاسوں سے
کہاں تلک آپ کریں گے تسلیاں میری
نہیں خبر مجھے ہے یہ کس کا منقبت گو ہوں
جناب خواجہ میں مقبول ہے زباں میری
مرے کلام میں رنگ تمیز ہے اختر
زبان دہلی کی تقلید ہے زباں میری

گلدستہ مشاعرہ نیشنل وار فرنٹ۔ مطبوعہ ۱۹۴۲ء

حرف آخر!

آج بھی بہت سے سن رسیدہ اور صاحب ذوق حضرات سے سنا ہوگا کہ ایک زمانہ تھا جب درگاہ بازار، اجمیر کی طوائفوں میں اختر کا کلام بہت مقبول تھا اور اکثر شادی بیاہ کے موقع پر گانے والیاں اختر کی غزلیں گاتی تھیں۔ غرض یہ کہ اختر اجمیر کے ایک ایسے شاعر تھے جن کا کلام اجمیر کے عوام میں بہت مقبول تھا۔

لے ۔ فراق مشتاق ۔ اس کا ذکر اپنے مضمون "اجمیر کی نادر مطبوعات" میں کروں گا۔

لے گلدستہ مشاعرہ نیشنل وار فرنٹ ۔ اس کا ذکر اپنے مضمون "اجمیر کی اردو مطبوعات" میں کروں گا۔

غزلیں

نظر برنی

فضا ہی ساز گار آئی نہ موسم ساز گار آیا ہے خشکی اب بھی ہونٹوں پر یہ کیا ابرِ بہار آیا
سناؤں کیا اپنی داستانِ غم تجھے ہمدم وہ آیا اپنی محفل میں مگر بیگانہ وار آیا
تبسم نے کسی کے رخ پہ پھونکی بے کلی دل میں شگوفوں کو ہنسی آئی گلوں پر رنگ نکھر آیا
کہاں ہے اب وہ پہلا سا مزہ جامِ محبت میں نہ تجھ کو ہی خمار آیا نہ مجھ کو ہی خمار آیا
نظر نے خود یہ دیکھا ہے جمالِ یار کا عالم گیا ہے جو بھی ان کے روبرو وہ بیقرار آیا

یعقوب راہی

اپنی ہر لغزش پہ رہبر ہم سنبھلے ٹھوکر کھا کر
کاش تجھے بتلا سکتے کیوں روتے ہیں ہنس ہنس کر
یہ خود تو بیمار ہیں دوستو یہ جو بنے ہیں چارہ گر
اہلِ نظر کی بستی میں ہم کو تلاشِ اہلِ نظر
درد و غم کے صحرا میں تو لہرا سایہ بن کر
ہم کو نہیں فکرِ منزل ہم وحشی ہیں گرمِ سفر
یہ میخانہ اپنا ہے
جام اٹھاؤ تم بڑھ کر

مسرور حسین علی جوالہ

راہی دور کے رہنے والے ہیں جس دور میں انساں بکتے ہیں
کاشی کے برہمن بکتے ہیں کعبے کے نگہباں بکتے ہیں
دستارِ فضیلت بکتی ہے اقوالِ حکیماں بکتے ہیں
پھولوں کی نمائش ہوتی ہے اور خارِ مغیلاں بکتے ہیں
بازار سا ہر دم لگتا ہے جس میں اپنے اپنے داموں
خوش فکر ادیباں بکتے ہیں شاعر بھی غزل خواں بکتے ہیں
اے ذوقِ بلندی قائم رہ اے عہدِ ترقی جگ جگ جی
پہلے تو کفن ہی بکتے تھے اب گورِ غریباں بکتے ہیں
آزادی کے ایوانوں میں زنداں کی روایت باقی ہے
عہدِ غلامی بکھراتے ہیں پھر تختِ سلیماں بکتے ہیں

ساجد اثر

آؤ، ابھی زعمِ محبت کا دکھایا جائے خشک ڈالی پہ کوئی پھول کھلایا جائے
پیار، مہکے ہوئے نغموں کا سنہری دھن کا آرزو کی نئی دلہن کو پہنایا جائے
جن میں اخلاص کے زرناب کنول کھلتے ہیں انھیں جھکی ہوئی جھیلوں میں بہایا جائے
میرا انمول زمرد کا جزیرہ لے کر کنکروں کا مجھے سرتاج بنایا جائے
اے اثر! پیار کے گاتے ہوئے دریا کو ابھی اپنے احساس کے مندر کو سجایا جائے

راہ کی دل کشی

ک۔ ب۔ پرواز

ایک ویرانہ جو آبادی کے بالکل پاس ہے
اور تھوڑی دور دو چشمے
کہ جو روزِ ازل سے آج تک سوکھے نہیں ہیں
پاس ہی کچھ پیڑ
جن کی ٹہنیاں پتوں سے ہیں ناآشنا
اور تھوڑی دور کچے مکاں
جو بنتے بنتے رک گئے ہیں
دور کھیتوں میں کئی گندم کی بالیں
مارچ کی پاگل ہوا کے ساتھ چہلیں کر رہی ہیں
سوچتا ہوں دو گھڑی ٹھہروں
ذرا دیکھوں
کہ یہ سب کچھ کسی زندہ الم کی ٹیس ہے
یا راحتِ خوابِ طرب ہے
دل کی گہرائی سے لیکن پھر کوئی آواز آتی ہے
کہ مت رک
یہ تری منزل نہیں ہے۔

قطعہ

امیر چند بہار

کیسا ہے یہ اندھیرا یہ کیا دیکھ رہا ہوں
ہر شخص کو مائل بہ جفا دیکھ رہا ہوں
پیاسا ہے اب انسان ہی انساں کے لہو کا
بگڑی ہوئی دنیا کی ہوا دیکھ رہا ہوں

تجریدی فن

کرشن موہن

ہم یاد کو بھول کہیں گڑبڑ کو اصول کہیں
خوشبو کو خلش سمجھیں صندل کو ببول کہیں
دیتا ہے پیامِ ترک رہزن کو رسول کہیں
ضد اصلِ مثالی ہے دوری کو شمول کہیں
جو بھی جی میں آ جائے وہ اوّل جلول کہیں
مجذوب کی بڑ کو بھی حرفِ معقول کہیں
ہم تجریدی فن کار
دولت کو وصول کہیں

میسور کی بازاری اردو

بازاری زبان سے مراد میری وہ زبان ہے جسے عوام عام طور پر استعمال کرتے ہیں اور تحریری صورت ہو تو کچھ بدل کر لکھا کرتے ہیں اور خواص تحریر اور تقریر دونوں صورتوں میں ان کے برعکس صحیح اردو بولتے اور لکھتے ہیں۔

میسور کی بازاری اردو زبان ہی میں نہیں عام طور پر دنیا کی اور زبانوں میں بھی تقریری صورت کی بہ نسبت تحریری صورت کے لفظی اختصاراً کی ایک شکل اختیار کر لیتی ہے یہاں اس کی تصریح کی گنجائش نہیں۔

میسور میں تقریباً ڈیڑھ دو سو برس سے اردو زبان میں کتابیں لکھی جا رہی ہیں جو ایک تدریجی ترقی کا نمونہ پیش کرتی ہیں اور اب میسور میں اردو زبان کے کئی شاعر اور شاعر موجود ہیں جن میں ہر ایک ایک خاص طرز کا راغب ہے مدتوں سے یہاں علامت فاعل کا غلط استعمال ہوتا آیا ہے اس سے متعلق اب سے ساٹھ برس پہلے میرے والد مرحوم مولانا شاہ ابو الحسن ادیب نے سیر حاصل بحث کی تھی والد مرحوم مولانا شاہ ابو الحسن ادیب یہاں کے کثیر التصانیف ادیبوں میں سے تھے آپ پہلے شخص تھے جنھوں نے اپنی تصنیف کردہ کتابیں پہلی مرتبہ سرکاری مدارس کے نصاب میں داخل کروائی تھیں اور مرتے دم تک مسلسل لکھتے رہے افسوس کہ آپ کی بہت سی کتابیں دوسروں کے نام سے شایع ہو چکی ہیں (نام ظاہر کرنا میں ضروری نہیں سمجھتا)

آج کل یہاں کئی صاحب تصنیف پائے جاتے ہیں یہاں سے چار روزنامے "آزاد" "سالار" "پاسبان" اور "سلطان" نکلتے ہیں ہفتہ واروں میں "تنظیم" "نشیمن" "کاروان" "جمہور" "قوم" "لیڈر" اور "فنکار" نکلتے ہیں۔

پندرہ روزہ "آج کا میسور" بھی نکلتا ہے مگر کوئی ماہنامہ[1] نہیں نکلتا میسور کی بازاری زبان پر اب سے پچاس ساٹھ سال پہلے مولانا شاہ ابو الحسن ادیب نے "جواہر اردو" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جسے "الکلام" پریس نے شایع کیا تھا اس میں ثابت کیا گیا تھا کہ یہاں افعال مختصر کرکے بولے جاتے ہیں چنانچہ

جاتوں (جاتا ہوں) آتوں (آتا ہوں) وہ آتیں (وہ آتے ہیں) وغیرہ اسی طرح ضمیروں کا بھی حال ہے چنانچہ

اُنے (اس نے) اِنے (اس نے) ہمنے (مجھے) ہمنا (ہمیں یا ہم کو) "تمنا" (تمہیں یا تم کو) خواہ افعال ہوں، ضمائر یا اسماء پورے پورے بولے جائیں تو شمالی ہند کی اردو کا صحیح نمونہ ہوگا۔

[1] پہلے "نیا دور" "ترقی" اور "غزل" ماہنامے نکلتے تھے اور سہ ماہی "سوغات" بھی (انجم ادیب)

کان (کہاں)، وھاں (وہاں)، کی (کیوں)، کائی کو (کاہے کو) ھیاں (یہاں) جاہ (جہاں) وغیرہ وغیرہ

اس کتاب میں ایسی کئی باتیں اور تذکیر و تانیث کا اختلاف دکھلا کر ملک کے طالب علموں سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ صحیح اردو بولنے کی عادت ڈالیں

اب میں یہاں ان الفاظ کا ذکر کرتا ہوں جو عام طور پر میسور کی بازاری زبان میں بولے جاتے ہیں اور دلی کی ٹکسالی زبان میں ان کی جگہ دوسرے الفاظ بولے جاتے ہیں۔

میسور کی بازاری زبان کے الفاظ	دلی کی ٹکسالی زبان کے الفاظ
اَتّس	حمایت
لئے رے رے	افسوس
آس میں	آس پاس
ایلور	درے
پاٹور	پرے
بڑبڑا	جلد
بھڑی	افسوس
ترکس	ٹیڑھا
تھپلی	پسلی
چُدر	تہ
چڑبندی	گرفت
تامیل	کچھوا
آن گھڑ	نادان
پول	نقل
اتانا	مغرور
بوکڑا	بہرا
پیمانہ	یقین کرنا
ھلّنا	وقت گزرنا
گمّت	مشغلہ
سپٹنا	قرینے سے رکھنا
گھوپڑ	نادہن کا سفر
گڑا	چشمہ
باوری	باؤلی
گنڈام	صدمہ
پٹو	آہستہ
جٹنا	جمع ہونا
گھامڑ	بے وقوف
باسن	برتن
پالکڑا	متبنیٰ
بھلّہ	بہت

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

جنرل الیکشن اور اردو

گذشتہ فروری میں ہندوستان بھر میں عام انتخابات ہو چکے ہیں اور ان کے نتائج بھی بہ تدریج سامنے آ گئے ہیں۔ میرا مقصد کوئی سیاسی تبصرہ کرنا نہیں۔ اس مراسلے کے ساتھ ایک گوشوارہ بھیج رہا ہوں جس سے یہ ظاہر ہوگا کہ آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے اپنی ریاستی شاخوں کو انگریزی، ہندی اور اردو زبانوں میں چھپے ہوئے کتنے پوسٹر ۲۹ جنوری ۱۹۶۷ء تک بھیجے تھے۔ واضح رہے کہ یہ اعداد و شمار تیسری قسط کے ہیں یعنی اس سے پہلے دو قسطوں میں پوسٹر اور بھیجے جا چکے تھے۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ جنرل الیکشن میں آج بھی اردو زبان کا کیا رول رہتا ہے۔ اس کا حلقۂ اثر ابھی تک انگریزی اور ہندی سے بھی زیادہ ہے۔ دھاندلی اور ہٹ دھرمی کا علاج تو صرف نادر شاہ مرحوم کے پاس تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ جنگ آزادی جیتنے میں بھی یہ یتیم اور بے یار و مددگار اردو سب سے آگے رہی اور آزادی کے (۲۰) سال بعد بھی جمہوریت میں اسی کا اثر سب سے زیادہ ہے۔ یہ اعداد و شمار خصوصی ذرائع سے حاصل کئے گئے ہیں اور یہ ہماری حکومت کے رویے کو خوب اچھی طرح ظاہر کر رہے ہیں کہ جس زبان کا نہ کوئی حق ہے نہ حصہ نہ علاقہ، وہ آج بھی کیا پوزیشن حاصل کئے ہوئے ہے۔

میں اس پر زیادہ تبصرہ کرنا نہیں چاہتا، کانگرس حکومت سے اور ارباب اقتدار سے صرف اتنا معلوم کروں گا کہ اگر ہندوستان میں اردو کسی علاقے کی زبان نہیں ہے تو یہ پوسٹر کیا سمندر میں پھینکے گئے یا جنات میں تقسیم کئے گئے؟

میں نہیں سمجھتا کہ قول اور عمل کے تضاد میں دنیا کی کوئی قوم بھی ہمارے مقابلے میں ٹک سکتی ہے!

گوشوارہ

[جنرل الیکشن ۱۹۶۷ء کے سلسلے میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی طرف سے ریاستی شاخوں کو بھیجے جانے والے پوسٹروں کے اعداد و شمار۔ ۲۹ جنوری ۱۹۶۷ء تک]

شمار	صوبے کا نام	انگریزی	ہندی	اردو	کیفیت
۱	آندھرا	چار ہزار	سو	ساڑھے چار ہزار	
۲	آسام	ایک ہزار	چار سو	ایک ہزار	
۳	بہار	تین سو	پانچ ہزار	تین ہزار	
۴	بمبئی	پانچ سو	سو	ایک ہزار	
۵	دہلی	تین سو	چار سو	ایک ہزار	
۶	گجرات	پانچ سو	انیس سو	ایک ہزار	
۷	پنجاب	تین سو	چھ سو	چھ سو	
۸	ہریانہ	پانچ سو	آٹھ سو	ایک ہزار	
۹	شملہ	دو سو	چار سو	چار سو	
۱۰	کشمیر	ڈیڑھ سو	ڈیڑھ سو	دو ہزار	
۱۱	جموں	ڈیڑھ سو	ڈیڑھ سو	ایک ہزار	
۱۲	کیرالا	دو ہزار	صفر	پانچ سو	
۱۳	مدھیہ پردیش	سات سو	تین ہزار	تین ہزار	
۱۴	بمبئی	دو ہزار	ڈھائی ہزار	دو ہزار	
۱۵	بنگلور	ڈھائی ہزار	دو سو	پانچ سو	
۱۶	مدراس	چار ہزار	صفر	صفر	
۱۷	اڑیسہ	انیس سو	سو	سو	
۱۸	راجستھان	تین سو	دو سو	تین ہزار	
۱۹	اتر پردیش	ایک ہزار	ساڑھے سات ہزار	سات ہزار	
۲۰	کلکتہ	تین ہزار	ایک ہزار	چھ ہزار	
۲۱	اگرتلہ	ڈیڑھ سو	پچاس	صفر	
۲۲	آسمل	ڈیڑھ سو	پچاس	صفر	
۲۳	پانڈیچری	سو	صفر	صفر	
۲۴	گوا	ڈیڑھ سو	پچاس	صفر	
۲۵	کلکتہ	سو	پچیس	صفر	
۲۶	چنڈی گڑھ	پچاس	پچاس	پانچ سو	
۲۷	سلوسا	پچاس	سو	صفر	
۲۸	دارجلنگ	ڈیڑھ سو	سو	صفر	
		۲۵۹۵۰	۲۴۷۲۵	۳۹۱۰۰	

کل میزان : نواسی ہزار سات سو پچھتر

انگریزی میں : پچیس ہزار نو سو پچاس
ہندی میں : چوبیس ہزار سات سو پچیس
اردو میں : انتالیس ہزار ایک سو

(مختار احمد فاروقی دہلی)

(۲)

انتخابات کے بعد سیاسی صورت حال واضح ہو کر سامنے آ چکی ہے اور یہ یقیناً پہلے کے مقابلے میں زیادہ تشفی بخش ہے۔ آیئے ہم یہ جائزہ لیں کہ انتخابات سے اردو نے کچھ پایا یا کھویا۔ میرا خیال ہے کہ انتخابات کے بعد اردو کا مستقبل تاریک تر ہو گیا ہے۔ اردو کا مسئلہ بالخصوص ان ریاستوں میں اہم ہے جنھیں عرف عام میں ہندی بولنے والا کہا جاتا ہے یعنی یوپی۔ بہار۔ مدھیہ پردیش۔ راجستھان۔ دلی اور ہریانہ ان میں یوپی اور مدھیہ پردیش میں کانگریس کی حکومت ہے بہار۔ دلی اور ہریانہ میں

غیر کانگریسی۔ راجستھان میں ان سطور کی تحریر کے وقت کسی پارٹی کی حکومت نہیں لیکن توقع ہے کہ جلد ہی وہاں غیر کانگریسی حکومت بن جائے گی۔ ان سب ریاستوں میں خواہ کسی بھی پارٹی کی حکومت ہو یہ قدرِ مشترک ہے کہ جن سنگھ اور سمیکت سوشلسٹ پارٹی (یعنی ایس۔ایس۔پی) میں سے ایک یا دونوں کی تعداد میں پہلے کے مقابلے میں بڑا اضافہ ہوا ہے بالخصوص جن سنگھ نے تمام ہندی صوبوں میں اپنی طاقت کافی بڑھالی ہے۔

کانگریسی حکومتوں سے اردو کی توقعات پوری نہ ہوئیں۔ گمان ہوسکتا تھا کہ غیر کانگریسی حکومتیں اردو کے لیے زیادہ ہمدرد ثابت ہوں گی لیکن یہ خوش گمانی بہت جلد ہی دور ہوگئی۔ یو۔پی میں حکومت بننے سے پہلے غیر کانگریسی پارٹیوں نے ایک مشترکہ ڈل بنایا تو اخبار میں یہ خبر پڑھنے میں آئی کہ ڈل کا ایک حصہ جن سنگھ بقیہ پارٹیوں سے اردو کے بارے میں ہم خیال نہیں جس کی وجہ سے ایک مکمل مشترکہ پروگرام نہیں بن پارہا ہے بہار میں حکومت نے گورنر کے خطبے میں یہ کہلا دیا کہ حکومت اردو کو ریاست کی ثانوی زبان بنانے کے بارے میں غور کرے گی۔ اس پر حکومت کے ایک رکن جن سنگھ نے کھلم کھلا بیان دیا کہ اردو کے بارے میں یہ تجویز جن سنگھ سے مشورہ کیے بغیر شامل کی گئی ہے اگر اس پر اصرار کیا گیا تو جن سنگھ کو اپنے مرکزی دفتر سے ہدایت لینی ہوں گی اس دھمکی کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر اردو کو بہار کی دوسری سرکاری زبان قرار دیا گیا تو جن سنگھ حکومت سے الگ ہو جائے گی۔ ہریانہ اور مدھیہ پردیش کی اسمبلیوں میں بھی جن سنگھ کے ممبروں کی تعداد میں بڑا اضافہ ہوا ہے۔ دلّی میں جن سنگھ کی حکومت ہے ہی۔

ایس ایس پی دوسرے امور کی طرح زبان کے معاملے میں بھی انتہاپسند ہے۔ ہندی کے مکمل نفوذ کے بارے میں وہ جن سنگھ سے بھی زیادہ آمادہ ہے۔ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ کوئی شخص یا گروہ اگر اپنے نقطۂ خیال یا اپنے گروہ پر شدت سے مرکوز ہوتا ہے تو وہ لبا اوقات دوسرے نقطہائے خیال یا دوسرے گروہوں سے اسی قدر مغائرت اختیار کرلیتا ہے انھیں اپنے سے کمتر سمجھنے لگتا ہے اور بعض اوقات بلکہ اکثر اوقات ان کی مخالفت کرنے لگتا ہے مجھے معلوم نہیں کہ ہندی اور اردو میں کوئی رقابت ہے کہ نہیں لیکن میں یہ ضرور دیکھتا ہوں کہ جو ہندی کا پُرجوش عاشق ہوتا ہے وہ بلا استثنا اردو کا مخالف ہوتا ہے ہندی کی غیر معمولی وکالت کا نتیجہ یہ ہے کہ اقلیتی زبانوں کے حقوق ایس ایس پی کی نظر سے اوجھل ہوگئے ہیں۔ ہندی کا استعمال جب اور زیادہ بڑھایا جائے گا تو وہ کسی دوسری زبان کے موجودہ استعمال کو ہٹا کر ہی ہوگا۔ یہ زبان بیشتر صورتوں میں انگریزی ہوگی لیکن بعض صورتوں میں اردو بھی ہوگی۔ اس لیے جہاں تک اردو کا معاملہ ہے ایس ایس پی سے ہمدردی کی توقع رکھنا بیکار ہے۔

متحدہ پنجاب میں ہندی اور پنجابی ایک دوسرے کی حریف اور رقیب تھیں لیکن جب اردو کو دلی کی ثانوی زبان بنانے کا مطالبہ کیا گیا تو جن سنگھ نے حُبِّ علی کی نہیں بلکہ بغضِ معاویہ کی وجہ سے کہا کہ دلی میں ثانوی زبان پنجابی ہونی چاہیے اردو نہیں اب جب کہ دلی میں جن سنگھ کی مکمل حکومت ہے اردو کے لیے کوئی گنجائش باقی ہی نہیں۔ پنجاب میں اکالی لوگ اردو کے ہمدرد تھے لیکن اب ان کی حکومت میں جن سنگھ بھی ایک فریق کی حیثیت سے شامل ہے کیا وہ ہمت کر سکتے ہیں کہ اردو کو کچھ مراعات دیں۔

مرکز کی کانگریسی کی حکومت بدستور ہے لیکن ہندی صوبوں میں جن سنگھ اور ایس ایس پی کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر کیا مرکزی حکومت جرأت کر سکتی ہے کہ اردو کی موافقت میں ریاستوں کو ہدایات بھیجے۔ لوک سبھا میں اردو کے سب سے زبردست وکیل آنند نرائن ملا پہنچ گئے ہیں لیکن اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا۔ اتنے سارے شاستریوں کے بیچ ایک ملا کیا کرے گا۔ ان کی گھن گرج والی تقریر صدا بہ صحرا ثابت ہوگی۔

مدراس میں دراوڑ کژگم کی حکومت اپنا کاروبار تامل میں چلانے کی کوشش کرے گی۔

پنجاب کے اکالی وزیر اعلیٰ نے اعلان کردیا ہے کہ صوبائی سطح پر پنجابی میں کام ہوگا ہندی ریاستوں میں بھی سرکاری کام کاج میں ہندی کا استعمال تیزی سے بڑھے گا جس کے معنی یہ ہیں کہ ملک میں عام طور پر ریاستوں میں انگریزی کی جگہ علاقائی زبان کا رواج ہوتا جائے گا۔ اردو کسی ریاست کی زبان نہیں اس لیے اردو اور دوسری زبانوں کے استعمال میں عدم مساوات اور زیادہ بڑھ جائے گی۔

مرکز میں انگریزی کی جگہ ہندی کے استعمال میں کوئی عجلت نہ کی جائے گی تاکہ مدراس کی حکومت کو اشتعال نہ ہو لیکن اس سے اردو کو کیا۔

اس جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ انتخابات کے بعد اردو کی حامی آوازیں کمزور ہوگئی ہیں اور اردو کی مخالف قوتیں قوی تر ہوگئی ہیں۔ ریاستی ہو کہ مرکزی کوئی بھی حکومت اردو کی موجودہ صورتِ حال میں کوئی بہتری کرنے کی ہمت نہیں کر سکتی۔

(ڈاکٹر گیان چند)

غازی الدین حیدر کی بادشاہت

۸ مارچ ۱۹۶۷ء کے ہماری زبان میں استاذ محترم پروفیسر سید مسعود حسن رضوی صاحب ادیب کا مضمون "میر حسن کے بیٹے" چھپا ہے پروفیسر صاحب نے محققوں کے متعلق جو فرمایا ہے اس کا انھیں حق ہے لیکن اتنی بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ "نئے محقق" وہ ہیں جن کو اگر

ان کی غلطی سے آگاہ کیا جائے تو بڑی خندہ پیشانی سے اسے قبول کرتے ہیں اور اپنے اس محسن کے شکرگزار بھی ہوتے ہیں۔

پروفیسر صاحب موصوف کے فیض تربیت نے اردو کو کتنے ہی قابل ذکر محقق اور ناقد عطا کئے ہیں۔ خود میں نے بھی چند روز حاضر خدمت رہ کر موصوف محترم سے کسب فیض کیا ہے جس پر مجھے فخر ہے ہم پروفیسر صاحب کی ہر تحریر سے بہت کچھ سیکھ لینا چاہتے ہیں اور وہ توقعات وابستہ کرتے ہیں جو شاید کسی دوسرے سے نہیں لیکن مذکورہ مضمون کو پڑھ کر نہایت افسوس ہوا۔ اس مضمون میں پروفیسر صاحب فرماتے ہیں،

"کروڑوں روپے کا...... سامان تیار کرنے میں ڈیڑھ دو برس ضرور لگے ہوں گے.... غازی الدین حیدر غالباً ۱۲۳۳ھ سے ڈیڑھ دو برس پہلے بادشاہ ہو چکے تھے"

میں ادب کا طالب علم ہوں اور اسی حیثیت سے چند باتیں جاننے کا مشتاق ہوں۔

۱۔ کیا غازی الدین حیدر کی بادشاہت کی کوئی تاریخ متعین نہیں ہے؟ "ڈیڑھ دو برس" میں بڑی گنجائش ہے جو تحقیقی نقطہ نظر سے بہت اہم ہے۔

۲۔ کیا زیر تعمیر ہونا اور مکمل ہو جانا مترادف الفاظ ہیں۔

۳۔ کیا زیر تعمیر کسی چیز کو بالکل وہی حیثیت دی جاتی چاہیے جو وہ مکمل ہو جانے کے بعد بنے گی؟

۴۔ کیا قیاس کو یقین میں بدل دینا بھی تحقیق میں جائز ہے؟

اپنی اس مختصر سی زندگی میں انگریزی حکومت کا خاتمہ اور ملک کا آزاد ہونا اور پھر آزاد ہندوستان کا جمہوریت میں بدلنا بھی ہم نے دیکھا ہے کچھ شک نہیں کہ ان تقریبات کے انتظامات بہت پہلے سے ہو رہے تھے، تحریک اور ضروری کارروائی میں بھی ایک مدت ضرور لگی لیکن تاریخ ہی نہیں وقت معینہ سے پہلے کے بھی کسی واقعہ کو آزادی کا جمہوریت کے "عہد" کا قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ابھی الیکشن ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے کچھ صوبوں میں وزارت کی تشکیل ہو چکی ہے کچھ میں باقی ہے، الیکشن کے نتائج کا اعلان ہو چکنے بلکہ اکثریتی گروہ کے نمائندہ کے انتخاب کے باوجود حلف لینے کی مخصوص تقریب (جلوس) سے پہلے تک اکثریتی گروہ کے نمائندے کو چیف منسٹر کہنا صحیح نہیں ہوگا حالانکہ ظاہرا اب اس کے عہدے پر فائز ہونے میں کوئی چیز مانع نہیں۔

حکومت کی طرف سے موقر شخصیتوں کو خطابات تقسیم کیے جاتے ہیں تمام کارروائیاں اس تقریب خاص سے بہت پہلے شروع ہو جاتی ہیں لیکن اعلان ہونے سے پہلے کوئی شخص ان خطابات کو اپنے نام سے پہلے لکھنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ غازی الدین حیدر کی تاج پوشی کے انتظامات میں کتنا وقت لگا؟ اس سلسلے کی ضروری کارروائی کس تاریخ سے شروع ہوئی؟ یہ بالکل الگ بحث ہے دیکھنا یہ ہے کہ وہ بادشاہ "جہاہ" کس دن سے ہوئے اس سلسلے میں خود پروفیسر صاحب کے الفاظ یہ ہیں۔

"غازی الدین حیدر نے گورنر جنرل سے اپنے بادشاہ ہونے ..... کی خواہش ظاہر کی ...... جواب آیا سرکار کمپنی کو کسی طرح کی مداخلت منظور نہیں"

"خواہش ظاہر کرنا" اور کمپنی کا جواب آنا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ غازی الدین حیدر اس وقت بادشاہ ہو گئے تھے بلکہ اس سے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ وہ بادشاہ نہیں ہوئے تھے۔

ناسخ نے جلوس کی تاریخ اس طرح کہی ہے۔

"بگو ناسخ کہ ظل اللہ گردید"

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سال سے پہلے وہ "ظل اللہ" نہیں تھے اسی وقت سے ہوئے۔ نواب وزیر السلطان سید محمد امیر علی خان بہادر کے الفاظ اور بھی واضح ہیں۔

"لقب ہمایونش از ہیں ہنگام ..... ابو المظفر معز الدین شاہ زمن غازی الدین حیدر بادشاہ غازی قرار یافت"

(وزیر نامہ طلوکر پروفیسر مسعود حسن رضوی صاحب) ص ۹۳

یعنی اس وقت سے پہلے یہ کچھ نہ تھا، وزیر السلطان کو بظاہر اس سلسلے میں کسی غلط بیانی کی ضرورت بھی نہ تھی۔ میری نگاہ سے اس سال سے پہلے کے جتنے مخطوطات گزرے ہیں سب میں غازی الدین حیدر کے نام سے پہلے لفظ "نواب" لکھا ہوا ہے اس سے بھی میں یہی سمجھتا ہوں کہ اس سال سے پہلے وہ "بادشاہ جہاہ" نہ تھے اس سب کے باوجود میں پروفیسر صاحب کی ہدایات کو قبول کر لینا ہمیشہ فخر سمجھتا ہوں۔ پروفیسر صاحب میرے محسن بھی ہیں شفیق اور بزرگ بھی۔

(محمد انصار اللہ نظر)

اردو کو اس کا جائز مقام دینے کے بارے میں

وزیر اعظم اندرا گاندھی کا اعلان

نئی دہلی۔ وزیر اعظم اندرا گاندھی نے آج لوک سبھا میں خطبۂ صدارت پر شکریہ کی تحریک کے سلسلہ میں ہونے والے مباحثہ کو سمیٹتے ہوئے سرکاری زبان کے سوال پر انھوں نے غیر ہندی ریاستوں کو یقین دلایا ہے کہ ان پر ہندی لادنے کی کوئی کوشش نہیں ہو رہی ہے انگریزی کو رابطہ کی معاون زبان کی حیثیت سے برقرار رکھنے کے لیے بل پارلیمنٹ کے آئندہ اجلاس میں پیش کیا جائے گا۔

وزیر اعظم نے کہا کہ اردو کو اس کا جائز مقام دینے کے بارے میں متعلقہ ریاستوں کے وزرا سے بات کروں گی۔

(سیاست جدید)

ہریانہ میں اردو کو اس کا جائز حق دلانے کا مطالبہ

چنڈی گڑھ۔ انجمن ترقی اردو ہند ہریانہ میں اردو کے سلسلہ میں اس کے جائز حق اور مقام کا مطالبہ کرے گی۔ انجمن نے اس سلسلہ میں بیس افراد پر مشتمل ایک ایڈہاک کمیٹی بنا دی ہے جس کے جناب اے۔ بی عامل چیرمین ہیں اور جناب اوم پرکاش ملک کنوینر۔ اس کے ممبران میں جناب ایس آر صابر، مولوی عبد الغنی ڈار ایم۔ ایل، پروفیسر آر ڈی ضیا، جناب کے سی پرواز، جناب مل سنگھ ایم۔ ایل۔ اے، جناب ایس۔ ایل شبنم اور جناب ایچ ایل چودھری ایم ایل اے شامل ہیں۔

جناب ملک نے روز گزشتہ اخباری نمائندوں کو بتایا کہ انجمن کا ایک وفد چیف منسٹر جناب ویریندر سنگھ سے بہت جلد ملاقات کرے گا اور ریاست میں اردو کو اس کا جائز حق دینے کا مطالبہ کرے گا۔ (الجمعیۃ دہلی)

ممبران پارلیمنٹ آئین میں درج تمام قومی زبانوں میں تقریریں کر سکیں گے

نئی دہلی۔ یو این آئی۔ لوک سبھا کے اسپیکر جناب این سنجیوا ریڈی نے پارلیمنٹ میں مختلف پارٹیوں کے لیڈروں کو آج یقین دلایا کہ وہ اس سوال کے ٹکنیکل پہلوؤں پر غور کریں گے کہ آئین کے شیڈول آٹھ میں درج تمام ۱۴ قومی زبانوں میں کی جانے والی تقریروں کا ہندی اور انگریزی میں ساتھ ساتھ ترجمہ ہو جائے۔ یقین کیا جاتا ہے کہ ان لیڈروں کو انھوں نے یقین دلایا کہ جب تک یہ انتظام نہ ہو جائے۔ ان زبانوں میں کی جانے والی تقریروں کو ٹیپ کے ذریعہ ریکارڈ کیا جائے گا۔ اور ترجمہ کے بعد ان کو ایوان کی کارروائی میں شامل کیا جائے گا۔ اس میٹنگ میں جو لیڈر شریک تھے ان میں وزیر پارلیمنٹری امور ڈاکٹر رام سبھاگ سنگھ پارلیمنٹری امور کے وزیر مملکت جناب آئی کے گجرال، جناب ایچ آر رسانی، جناب کے اجار گال، جناب ماد ھو لمائے اور جناب ایس این دویدی اپوزیشن کے لیڈروں نے اسپیکر سے کہا کہ ممبروں کو ایوان میں آئین میں درج کسی بھی زبان میں تقریر کرنے کا حق حاصل ہے پہلے سے ترجمہ کرنے کے موجودہ طریقہ کار کو ختم کیا جانا چاہیے۔ ڈی ایم کے لیڈر نے کہا کہ ممبران کی مادری زبان میں تقریر کا حق ہے اس کا احترام کیا جانا چاہیے انگریزی کو ختم کر کے غیر ہندی والے علاقوں کے لوگوں پر ہندی کو نہیں ٹھونسا جانا چاہیے بلا کسی رکاوٹ کے انگریزی کے استعمال کی اجازت ہونی چاہیے۔

جناب مادھو لمائے اور دوسرے ہندی کے حامی لیڈروں نے کہا کہ وہ انگریزی کے خلاف نہیں ہیں لیکن وہ چاہتے ہیں کہ ہندی کے استعمال کو فروغ دیا جائے (الجمعیۃ دہلی)

ہریانہ میں اسکول کی سطح تک ہندی ذریعہ تعلیم ہوگی

چنڈی گڑھ۔ ہریانہ کی حکومت نے اسکول کی سطح تک ہندی کو ذریعہ تعلیم بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔ ریاستی وزیر تعلیم نے ایک بیان میں کہا ہے کہ پہلی سے چھٹی جماعت تک ہندی واحد زبان ہوگی جو پڑھائی جائے گی چھٹی میں ایک اور زبان مثلاً انگریزی رائج کی جائے گی۔ ساتویں اور آٹھویں سے طلبہ کو سنسکرت، اردو اور پنجابی میں سے کوئی ایک زبان سیکھنی ہوگی۔ لسانی اقلیتوں کا بدستور تحفظ کیا جاتا رہے گا۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اردو کو ثانوی سرکاری زبان کا درجہ کیوں دیا جائے؟

نئی دہلی۔ بہار جن سنگھ نے اردو کو ریاست میں ثانوی سرکاری زبان کا درجہ دیے جانے کے خلاف جو رویہ اختیار کیا ہے بھارتیہ جن سنگھ کے صدر جناب بلراج مدھوک نے اس کی تائید و توثیق کر دی ہے۔ کل انھوں نے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ ریاست بہار میں اردو کو ثانوی سرکاری زبان کا درجہ کیوں دیا جائے؟ سماچار بھارتی کے نمائندہ کو انٹرویو دیتے ہوئے جناب بلراج مدھوک نے کہا کہ بہار میں صرف ۵ فیصد لوگ ہی اردو بولتے ہیں۔ واضح ہے کہ بہار کی غیر کانگریسی وزارت نے اپنے ۳۳ نکاتی پروگرام میں اردو کو ثانوی سرکاری زبان بنانے کا دعویٰ کیا ہے۔ جن سنگھ نے اس سے اختلاف کیا ہے اور کہا ہے کہ غیر کانگریسی وزارت میں شمولیت کے باوجود وہ اردو کی مخالفت جاری رکھے گا بہار ودیارتھی پریشد اور ہندی ساہتیہ سمیلن کی بھاگل پور شاخ نیز بہار جن سنگھ کی مجلس عاملہ نے اردو کو ثانوی سرکاری زبان بنائے جانے کے خلاف قراردادیں منظور کی ہیں۔ (ساتھی)

شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی میں جدیدیت اور ادب پر سہ روزہ سیمینار

(گزشتہ سے پیوستہ)

شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے زیر اہتمام "جدیدیت اور ادب" کے سیمینار میں یکم اپریل کو اس کا دوسرا جلسہ صبح ۹ بجے شروع ہوا۔ سب سے پہلے پروفیسر آل احمد سرور نے اپنا مقالہ "ادب میں جدیدیت کا مفہوم" پڑھا۔ اس مقالے میں سرور صاحب نے عالمی ادب میں ادب کے اس جدید تر تصور کو نمایاں کرنے کی کوشش کی جو محدود نظریاتی وابستگی کے بجائے حقیقت کی آزادانہ جستجو کو اہمیت دیتا ہے۔ جدید ادیب کی وابستگی محدود سیاسی یا غیر سیاسی نظریات کے بجائے وسیع تر معنوں میں انسانی وجود اور انسانی اقدار سے وابستگی ہے۔ سرور صاحب کے مقالے کے بعد ڈاکٹر عبدالعلیم نے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ انھوں نے کہا کہ جدید دور میں جدلیاتی مادیت اور وجودیت دو ایسے فلسفے ہیں جنھوں نے عصری ادب کو بہت متاثر کیا ہے اور دونوں کو ہی جدیدیت کے دائرے میں رکھا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے بعد یوسف جمال خواجہ، ڈاکٹر وحید اختر، ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر رویندر بھرمر اور مس انجلی آرا وغیرہ نے بحث میں حصہ لیا۔ جناب محمد فضل الرحمٰن صاحب پرو وائس چانسلر نے بھی مقالات کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ سرور صاحب نے تمام بحثوں پر رائے دیتے ہوئے کہا کہ جدیدیت کی تعریف اگر بہت مختصر طور پر کی جائے تو میرے نزدیک جدیدیت آدمی کی تلاش کا دوسرا نام ہے۔

تیسرا جلسہ سہ پہر کو ۲ بجے شروع ہوا۔ اس جلسے میں شمس الرحمٰن فاروقی نے اپنا مقالہ "مغرب میں جدیدیت کی روایت" پڑھا۔ اس مقالے میں گذشتہ صدی کی جدید ادبی تحریکوں کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا گیا کہ جدیدیت دراصل رومانیت کی توسیع یا اس کا تسلسل ہے۔ اس مقالے کے بعد ڈاکٹر محمد یٰسین نے جدید انگریزی ناول پر مقالہ پڑھا اور ساجدہ زیدی نے جدید انگریزی ڈرامے پر ایک تقریر کی۔ اسی نشست میں رویندر بھرمر نے جدید ہندی شاعری پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ ان مقالوں پر ڈاکٹر وحید اختر، ڈاکٹر ثریا حسین، براج کومل، نعمان احمد صدیقی، ساجدہ زیدی اور دیگر حضرات نے بحث کی۔ اس کے بعد قاضی عبدالستار نے جدید اردو افسانے پر ایک مختصر مضمون اور رام لعل نے "افسانہ اور قاری" کے عنوان سے اپنا مقالہ پڑھا۔

سیمینار کا چوتھا جلسہ ۲ اپریل کو صبح ۹ بجے شروع ہوا۔ اس نشست میں سب سے پہلے ڈاکٹر محمد حسن نے جدید اردو افسانے پر تقریر کی۔ اس کے بعد ڈاکٹر قمر رئیس نے ایک مقالہ پڑھا جس میں جدید اردو ناول کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ان مقالوں پر ڈاکٹر وحید اختر، زاہدہ زیدی، اقتدار عالم، محمد شریف، کنور پال سنگھ وغیرہ نے بحث کی۔

سیمینار کا پانچواں اور آخری جلسہ ۲ اپریل کو سہ پہر میں ۲ بجے شروع ہوا۔ یہ نشست تقریباً ۳ گھنٹے جاری رہی۔ اس نشست میں جدید اردو نظم پر براج کومل نے اپنا مقالہ پڑھا۔ انھوں نے جدید نظم کے مثبت اور منفی پہلوؤں کا تجزیہ کیا۔ انھوں نے ترقی پسند یا مقصدی شاعری کو پروگرام کی شاعری یا خط مستقیم کی شاعری کہا اور جدید نظم کو لامحدود اور آزادانہ تلاش کی شاعری یا خط منحنی کی شاعری قرار دیا۔ کومل صاحب کے مقالے کے بعد شہریار نے "جدید نظم کا تجزیاتی مطالعہ" کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا جس میں ڈاکٹر منیب الرحمٰن کی نظم "آئینہ" کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر منیب الرحمٰن نے اس کے بعد "جدید ہیئت" کے موضوع پر تقریر کی اور نظم کے جدید تصور کی وضاحت کی۔ اس کے بعد ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے فراق اور فیض کے کلام میں "روایت اور جدت" کے عنوان سے اپنا مقالہ پڑھا اور اپنی تقریر میں جدیدیت کے بارے میں اپنے خیالات کی وضاحت کی۔ ڈاکٹر نارنگ کے مقالے کے بعد ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی نے "جدید تر غزل" پر اپنا مقالہ پیش کیا۔ انھوں نے جدید تر غزل میں نئے طرز احساس، نئے لب و لہجے اور نئی فضا کا ذکر کیا اور جدید تر غزل کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بتائی کہ یہ غزل اپنی سرزمین سے بہت قریب ہو گئی ہے۔ اعظمی صاحب کے مقالے کے بعد ڈاکٹر وارث کرمانی نے "جدید شعری تنقید" کے عنوان سے اپنا مقالہ پڑھا۔ اس مقالے میں جدید شاعری کے علاوہ شاعری کے جدید تنقیدی رویوں پر بھی اظہار خیال کیا گیا۔ ان تمام مقالات پر بڑی دیر تک بحث ہوتی رہی جس میں مختلف حضرات نے حصہ لیا۔ جناب آنند نرائن ملا بھی اتفاق سے اس جلسے میں تشریف رکھتے تھے انھوں نے بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

آخر میں صدر جلسہ پروفیسر آل احمد سرور نے تمام مباحث کا احاطہ کرتے ہوئے سیمینار کو جدید ادبی مسائل کے سمجھنے کے سلسلے میں ایک اہم اقدام بتایا اور اس میں شرکت کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا۔

(نامہ نگار "ہماری زبان")

شاخ مالیگاؤں کی سالانہ میٹنگ

ترقی مرکز میں جناب ہارون احمد صاحب کی صدارت میں انجمن کی سالانہ میٹنگ ہوئی۔ گذشتہ سال کی رپورٹ اور حساب کی منظوری کے بعد عہدیداروں کا انتخاب ذیل کے مطابق عمل میں آیا۔

۱- صدر: جناب عبدالحفیظ صاحب ایم۔ اے

۲- نائب صدر: جناب ہارون احمد صاحب۔

۳۔ جنرل سکریٹری: جناب نذیر احمد صاحب ایم۔ اے

۴۔ سکریٹری: محمد شعبان انصاری۔

۵۔ خازن: جناب شبیر احمد حکیم صاحب

اراکین مجلس عاملہ:

۱۔ ڈاکٹر رحمانی صاحب ۲۔ ڈاکٹر خلیل احمد انصاری صاحب
۳۔ امان اللہ خاں ۴۔ حاجی شکیل احمد سیٹھ ۵۔ فیروز حسین
بادشاہ ۶۔ اطہر مالیگانوی ۷۔ محمد اصغر ۸۔ محمد یوسف تشنہ
۹۔ اسماعیل راز اور سلیمان انصاری۔

(انصاری۔ سکریٹری)

انجمن ترقی اردو جودھپور کا نیا انتخاب

انجمن ترقی اردو جودھپور کی مجلس عاملہ کی نشست خانجی کی حویلی میں زیر صدارت جناب جیتو دان صاحب ادجول منعقد ہوئی اس میں جنرل سکریٹری جناب وحید اللہ خاں نے ۱۹۷۶ء کے حساب کا گوشوارہ پیش کیا جو باتفاق منظور کیا گیا۔ بعد ازاں ۱۹۷۷ء کے عہدہ داروں اراکین کا انتخاب باتفاق رائے عمل میں لایا گیا۔

۱۔ جناب جیتو دان صاحب ادجول ۔ صدر
۲۔ " الحاج محمد حبیب صاحب ٹھیکیدار ۔ نائب صدر
۳۔ " وحید اللہ خاں صاحب ۔ جنرل سکریٹری
۴۔ " محمد عبد القیوم خاں صاحب ۔ نائب سکریٹری

اس کے علاوہ عاملہ کے ۱۴ ممبران کا بھی انتخاب عمل میں آیا۔

(وحید اللہ صاحب سکریٹری)

شعبۂ اردو جموں میں شعری اجتماع

۷۷ء میں جموں کشمیر یونیورسٹی کی بزم اردو کے تین جلسے ہوئے پہلے جلسے کی تفصیل ہماری زبان میں شائع ہو چکی ہے۔ فروری میں دوسرا اور مارچ میں تیسرا جلسہ ہوا۔ دوسرا جلسہ اردو کے مشہور مزاحیہ شاعر قاضی غلام محمد کے اعزاز میں ہوا جس میں قاضی صاحب نے اپنی مزاحیہ غزلیں اور نظمیں سنائیں۔ تیسرا جلسہ مقامی شعرا کا مشاعرہ تھا جو یونیورسٹی ہال میں ہوا اس میں ذیل کے شعرا نے اپنا کلام سنایا۔ ظہور الدین صاحب حکیم منظور کشمیری۔ حضرت بسمل ضیا الرحمن خاں آفریدی ضیا۔ پنڈت دو دیارتن عاصی۔ حضرت نور الزماں صدیقی نور۔ عابد مناوری صاحب۔ پروفیسر منظر اعظمی۔ پروفیسر شام لال کامرا۔ عابد پیشاوری۔ عشرت کشمیری ایم۔ اے۔ ڈاکٹر گیان چند

(ظہور الدین سکریٹری بزم اردو)

صفحہ ۶ سے آگے

بھلہ ۔ بہت
رنجھل ۔ صاف خالص
گھاتو ۔ فریبی
کھسانا ۔ پٹانا
لانڈگا ۔ چپاکٹ
ڈورک دھندا ۔ گذران
مردمانا ۔ مرد
سنگوس ۔ نیولا
ملکنا ۔ جی متلانا
ماودھن ۔ نخوشہ
کھوڑیل ۔ معیوب
کھوٹا ۔ کینہ ور
بجار ۔ باہر
تارخ ۔ تالو
بھونڈنا ۔ قریب ہونا
بچابیچ ۔ درمیان
بچرنا ۔ رستا
کھودا ۔ غار
آن منانا ۔ حیص بیص کرنا
کشکا ۔ ہچکی۔

لام ۔ قطار ۔ صف
گیالدا ۔ ناکارہ
انگار ۔ آگ
بھڑکا ۔ جلن
منڈی ۔ گردن
گوراگٹا ۔ خوبصورت
منڈھ ۔ بے حیا
ملک ۔ دیواس
کھبیڑ ۔ مڈبھیڑ
چرانہ ۔ دھوکہ دینا
کھسٹ ۔ میل
بھتی ۔ توشۂ زادِ راہ
بچھڑاٹ ۔ جدائی
البٹجانا ۔ معزور ہو جانا
فنتا ۔ جھگڑا
پاؤلہ ۔ قدم
ثناخوری ۔ بے وفائی
گھولانا ۔ فریب دینا
گھمنڈ ۔ غرانا

چند محاورے جو بازاری اردو میں مستعمل ہیں

ادھن رکھنا ۔ چاول یا دال کے لیے گرم کرنا
ناک پر غصہ ہونا ۔ یکایک خفا ہو جانا
چراغ بتی کا وقت ۔ سرِ شام
ہاتھ جھوٹا کرنا ۔ خوب کھا لینا
پشتی لینا ۔ حمایت لینا
چیتڑے کو ہاتھ نہ لگانا ۔ الگ رہنا
گذر گئی گذران کیا جھونپڑی کیا میدان ۔ عمر کے آخری حصہ میں اچھا برا دونوں برابر ہیں۔

ہماری زبان

سے خط وکتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ، پرنٹر شمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا